اسلام میں جہاد بالسیف کی شرائط

(عصری انتہا پسندی اور مرکز گریزی کے تناظر میں)

علی اکبر الازہری☆
محمد افضل☆

بعض اوقات چند مفسدین کا مسلح تصادم پوری ریاست کی سلامتی کو معرضِ خطر میں ڈال دیتا ہے۔ یہ فتنہ پرور نہ صرف جہاد کے نام پر ریاست کو عدمِ استحکام سے دو چار (destabilize) کرتے ہیں بلکہ اس کی نظریاتی بنیادوں پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایسے ناعاقبت اندیشوں کی اسلام دشمن حرکات سے بچنے کے لیے اسلام نے جہاد بالسیف کے وجوب کے لیے کچھ ناگزیر شرائط اور حدود و قیود متعین کی ہیں، جن کے بغیر ہرگز جہاد بالقتال یا جہاد بالسیف کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ عصرِ حاضر کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ بعض طبقات کی طرف سے شریعت کی متعین کردہ شرائط اور مقاصد و اہداف کو نظر انداز کرکے محض کسی کے خلاف مسلح جنگ کو ہی جہاد یا قتال کا نام دے دیا جاتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ دفاعی جہاد کی شرائط کو قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں بیان کردیا جائے تاکہ شرعی جہاد اور غیر ریاستی عناصر کے "فساد" میں فرق کیا جا سکے۔ اسلام میں جہاد بالسیف کے جواز اور فرضیت کے لئے چند ناگزیر شرائط ہیں جن کے بغیر جہاد ممکن نہیں۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں۔

پہلی شرط۔ منظم ہیئتِ اجتماعیہ کی ضرورت

اسلامی اُصولِ حرب کی رو سے کسی بھی ریاست کے خلاف مسلح تصادم یا عسکری اِقدام کی اجازت صرف ایک منظم حکومت یا مجاز اتھارٹی ہی دے سکتی ہے۔ سیرت نبوی میں اس کی عملی نظیر یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے متبعین کو اس وقت تک دفاعی جہاد کی اجازت نہیں دی جب تک ریاستِ مدینہ کی صورت میں باقاعدہ ایک منظم ہیئتِ اجتماعیہ یا ریاست و

☆ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
☆☆پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف لاہور

حکومت وجود میں نہیں آ گئی۔ ہجرت سے قبل مکی عہد میں رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کو ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ خون آلودہ چہروں کے ساتھ جب صحابہؓ آپ ﷺ سے مسلح دفاع کی اجازت طلب کرتے تو آپ ﷺ ہمیشہ انہیں کفار و مشرکین کے خلاف مسلح ٹکراؤسے منع کرتے ہوئے فرماتے کہ صبر کرو ابھی مجھے جہاد کا حکم نہیں ملا۔ ہجرت کے بعد جب باقاعدہ ایک ہیئت مقتدرہ قائم ہو گئی۔ تمام اتحادیوں نے ریاستی دستور (constitution) پر اتفاق رائے کر لیا۔ تمام طبقات نے آئین کی رو سے پیغمبر اسلام ﷺ کو سربراہ ریاست (head of state) تسلیم کر لیا تو اب ایک منظم حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں نے اپنے دفاع اور حفاظت کے لیے جارحیت اور اشتعال انگیزی کا مقابلہ جہاد بالسیف کی صورت میں کیا۔ اسی اجتماعیت اور مرکزیت کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ (1)

”اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔“

دوسرے مقام پر مرکز گریز قوتوں (Centrifugal Forces) سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمۡ وَكَانُواْ شِيَعٗا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِي شَيۡءٍۚ (2)

”بے شک جن لوگوں نے (جدا جدا راہیں نکال کر) اپنے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور وہ (مختلف) فرقوں میں بٹ گئے، آپ کسی چیز میں ان کے (تعلق دار اور ذمہ دار) نہیں ہیں۔“

اسلام میں عسکری اقدام یا مسلح تصادم کی اجازت صرف مجاز اتھارٹی یا ہیئت مقتدرہ ہی دے سکتی ہے، کسی تنظیم، جماعت یا مفتی کے پاس یہ اختیار نہیں کہ وہ ازخود نجی جہاد کا آغاز کر دے۔ یہ انفرادی عسکری اِقدام اسلام اور قانون بین الاقوام، دونوں کے خلاف ہے۔

احادیث سے استدلال

یہ ایک مسلمہ اَمر ہے کہ وحدتِ افکار سے ہی وحدتِ اعمال جنم لیتے ہیں۔ فکری و نظری انتشار افرادِ ملت کو کبھی بھی ہیئتِ اجتماعیہ کی شکل اختیار کرنے نہیں دیتا۔ رسول اکرم

ﷺ نے افرادِ اُمت میں فکری و عملی وحدت پیدا کرنے کے لیے انہیں ریاستی اتھارٹی کو تسلیم کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَ مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ (3)

"جو شخص (حاکم کی) اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے جنگ کرے یا کسی عصبیت کی بنا پر غضب ناک ہو یا عصبیت کی طرف دعوت دے یا عصبیت کی خاطر جنگ کرے اور مارا جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا اور جس شخص نے میری اُمت پر خروج کیا اور اچھوں اور بروں سب کو قتل کیا، کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی سے کیا ہوا عہد پورا کیا، وہ میرے دین پر نہیں ہے اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔"

آپ ﷺ نے ہیئتِ اجتماعیہ کی برکات، جمہور کے ساتھ متمسک رہنے اور خروج و بغاوت کی قباحت و شناعت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَدُ االلهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، فاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ(4)

"جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے پس تم سوادِ اعظم(اکثریتی طبقہ) کی اتباع کرو کیونکہ جو ان سے الگ ہوا وہ آگ میں جا گرا۔"

حضرت عمر بن خطابؓ نے ریاست کے شہریوں اور ریاستی اتھارٹی کے باہمی تعلق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا إِسْلَامَ إِلاَّ بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ إِلاَّ بِإِمَارَةٍ وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ. (5)

"جماعت(ہیئت اجتماعیہ) کے بغیر اسلام کی کوئی اہمیت نہیں اور امارت(حکومت و ریاست) کے بغیر جماعت کی کوئی حیثیت نہیں اور اطاعت کے بغیر امارت کا کوئی فائدہ نہیں"

ان تمام فرمودات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہادی تنظیموں کا یہ کہنا کہ فلاں حکومت اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے مفادات کے تحفظ کے لیےکچھ نہیں کر رہی لہٰذا بحیثیتِ مسلم ہمارے اُوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اُمت کے مفادات کے تحفظ کے لیےخود اُٹھ کھڑے ہوں اور اپنے ہاتھوں میں اسلحہ اٹھا کر دوسری طاقتوں سے ٹکرا جائیں، یہ سوچ کتاب و سنت کی روح کے خلاف اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت و تعلیمات سے متناقض و متخالف ہے۔

دوسری شرط - اِذنِ جہاد کا اختیار صرف سربراہِ ریاست کے پاس

جب تک کسی اسلامی مملکت کا سربراہ باقاعدہ مسلح جہاد کی اجازت نہ دے اس وقت تک شرعاً اس کی ادائیگی جائز نہیں۔ جہاد فرضِ کفایہ ہے، اس کی شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ مجاز ریاستی اتھارٹی (Legitimate State Authority) یعنی حکومت یا پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔ کسی شخص، جماعت یا تنظیم کو ازخود جہاد بالسیف کا اعلان کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ آج ہر ریاست چونکہ بین الاقوامی قوانین کی پابند ہے اور وہ امن عالم کے قیام کے لیےعالمی برادری کے سامنے جواب دہ ہے لہذا یہ صرف سربراہ ریاست کا حق ہے کہ وہ بین الاقوامی قوانین اور معاہدات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاد کا اعلان کرے۔

اس کی پہلی قرآنی دلیل سورہ بقرہ کی آیت: ۲۴۶ ہے جس میں بنی اسرائیل کے لوگوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک سربراہ مقرر کر دیں تاکہ ہم اس کی نگرانی میں جنگ کریں۔ اِرشاد باری ہے:

أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلۡمَلَإِ مِنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ مِنۢ بَعۡدِ مُوسَىٰٓ إِذۡ قَالُواْ لِنَبِيّٖ لَّهُمُ ٱبۡعَثۡ لَنَا مَلِكٗا نُّقَٰتِلۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ (6)

’’اے حبیب!) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کو نہیں دیکھا جو موسیٰ(e) کے بعد ہوا، جب انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم (اس کی قیادت میں) اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔‘‘

اِس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ریاست کے حکمران کے بغیرجہاد بالقتال نہیں ہو سکتا۔ اگر ریاستی سربراہ کے اِذن کے بغیر جہاد بالسیف جائز ہوتا تو بنی اسرائیل کبھی بھی ٱبۡعَثۡ لَنَا

مَلِكًا کہہ کر اپنے لیے بادشاہ یعنی مجاز ریاستی اتھارٹی مقرر کرنے کی درخواست نہ کرتے۔ اس امر کو قرآن کی مستقل آیت بنانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اسے امتِ مسلمہ کیلئے شرعی حکم اور ایک اصول بنا دیا ہے۔ اب اگر کوئی گروہ یا تنظیم انفرادی طور پر خود ہی جہاد کا اعلان کر دے اور مجاز اتھارٹی کے اختیار کو ناجائز طور پر استعمال کرے تو ان کا یہ عمل نہ صرف سراسر قرآنی احکام سے متصادم ہوگا بلکہ اسلامی اخلاقیات اور بین الاقوامی قوانین کے بھی خلاف ہو گا۔

دوسری قرآنی دلیل سورہ نساء میں ستم رسیدہ لوگوں کو ظالموں کے پنجۂ استبداد سے نکالنے کی تلقین پر مشتمل یہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا (7)

"اور (مسلمانو!) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (مظلوموں کی آزادی اور اُن کے خلاف ہونے والی دہشت گردی کے خاتمے کے لیے) جنگ نہیں کرتے حالانکہ کمزور، مظلوم اور مقہور مرد، عورتیں اور بچے (ظلم و ستم سے تنگ آکر اپنی آزادی کے لیے) پکارتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جہاں کے (مؤثر اور طاقت ور) لوگ ظالم ہیں اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کارساز مقرر فرما دے اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا مددگار بنا دے"

جہاد بالسیف کے سلسلہ میں اسلام کے حتمی اور قطعی اصولوں کا اس امر سے اندازہ لگائیں کہ اگرچہ مذکورہ آیت نازل ہو چکی تھی، اہل مکہ نے مکہ میں رہ جانے والے بچوں، بوڑھوں اور خواتین پر ظلم و ستم کی بھی انتہا کر دی تھی، مگر اصحاب رسول ا میں سے کسی ایک فرد نے بھی نہ تواہل مکہ پر حملہ کیا اور نہ ہی انتقامی یا تادیبی کاروائی کے لیےاس آیت سے استدلال کیا۔ ہمیں اسلام کی عسکری حکمت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ "کا حکم عامۃ الناس یا غیر مجاز اتھارٹی کے لیے نہیں بلکہ ہیئت مقتدرہ یعنی ریاست مدینہ کے لیے تھا۔ یہ حکم ریاست مدینہ کے سربراہ کی زیر قیادت مسلم فوج اور پوری سوسائٹی کیلئے تھا۔

قرآن کی اسی آیت کے تحت اگر بعض کمزور و ناتواں طبقات یا افراد پر جبر و تشدد ہو رہا ہو، انسانی حقوق پامال ہو رہے ہوں، کسی کمزور ریاست پر جارحیت مسلط کی گئی ہو اور وہاں امن و امان کی فراہمی کا کوئی نظام بھی نہ ہو، تو ایسے حالات میں بحالی امن کے لیے مسلح جہاد کرنا قریبی ریاستوں پر واجب ہوجاتا ہے۔ یہ انسانیت کی بقاء کی جنگ ہے جسے بین الاقوامی قوانین میں Humanitarian War کہتے ہیں اور اس کی اجازت UN نے بھی دی ہے۔

اسی طرح احادیث نبوی میں ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کو نہ صرف ڈھال قرار دیا گیا ہے بلکہ اس امر کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ جہاد صرف اسی کے اذن اور نگرانی میں ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي، إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى االلهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرًا وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ.(8)

"جو امیر (سربراہ ریاست) کا حکم مانتا ہے گویا وہ میرا حکم مانتا ہے اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے گویا وہ میری نافرمانی کرتا ہے ۔ یقینا حکمران ڈھال ہوتا ہے، اس کی نگرانی میں قتال کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے تحفظ حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کوئی حکم دے اور انصاف کرے تو اس کا اسے اجر ملے گا اور اگر اس کے برعکس کرے گا تو اس کا وبال اسی(حکمران) پر ہو گا۔"

ا۔ زیر بحث حدیث میں امام قسطلانی (۸۵۱-۹۲۳ھ) کسی بھی عسکری اقدام کے لیےسربراہ ریاست یا ریاستی اقتدار کی اجازت کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بے شک رعایا پر حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے۔ امام جو کہ شہریوں کے معاملات کا ذمہ دار ہے، وہ ان کے لیےڈھال ہے۔ یہ مسلمانوں کی حفاظت کرنے والا اور دشمن کو مسلمانوں کو تکلیف دینے سے روکتا ہے۔ وہ اسلامی ریاست کی حفاظت کرتا ہے۔ اور وہ (مسلمان) اس کے ساتھ (مل کر) کفار اور باغیوں سے لڑتے ہیں .... اور اگر وہ اس کے ساتھ مل کر نہ لڑیں اور اس کی نافرمانی کریں، تو لوگوں کے معاملات خراب ہوجائیں

گے اور طاقت ور کمزور پر حملہ کردے گا اور حدود و فرائض ضائع ہوجائیں گے ۔"(9)

۲۔ امام شرف الدین نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں سربراہ ریاست کی جہاد میں شخصی یا معنوی شرکت کا ذکر بھی اسی معنی میں کرتے ہیں:

"آپ ﷺ کے فرمان " يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ" کا مطلب ہے کہ حکمران کی معیت میں کفار، دہشت گرد باغیوں، خوارج اور تمام اہلِ فساد و ظلم سے قتال کیا جاتا ہے۔"(10)

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کی یہی شرح علامہ جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) نے 'الدیباج علی مسلم' ۴: ۴۵۴ میں کی ہے۔

۳۔ دشمن کے ظلم اور جارحیت سے محفوظ رہنے کے لیےریاست کے حکمران کو پناہ گاہ اور ڈھال قرار دیتے ہوئے شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی (۷۶۲-۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"وہ امام ڈھال (آڑ) ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دشمن کو مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے سے روکتا ہے اور بعض لوگوں سے بعض کو (نقصان) پہنچانے سے روکتا ہے .... وہ (مسلمان) اس (امیر حاکم) کے ساتھ مل کر کفار، باغیوں تمام اہلِ فساد سے لڑتے ہیں اور اگر وہ اس کے ساتھ مل کر نہ لڑیں اور اس کی نافرمانی کریں، تو لوگوں میں سے ہر کوئی حکمران بن بیٹھے گا اور طاقتور کمزور لوگوں کو کھا جائیں گے اور حدود و فرائض معدوم ہوجائیں گے اور اہل حرب مسلمانوں پر دسترس حاصل کرلیں گے۔ "(11)

۴۔ حکمران کی تدبیر و فراست اور حمایت میں جنگ کرنے کے حوالے سے علامہ انور شاہ کاشمیری (۱۳۵۲ھ) الفاظِ حدیث "يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ " کی شرح میں لکھتے ہیں :

اَلْمُرَادُ بِهِ الْوَرَائِيَّةُ المَعْنَوِيَّةُ أَيْ تَحْتَ تَدْبِيْرِ الإِمَامِ، وَظِلِّهِ وَحِمَايَتِهِ وَكَنْفِ جَوَارِهِ.(12)

"اس حدیث میں (مِنْ وَرَائِهِ یعنی پیچھے جنگ کرنا سے) ورائیت معنوی مراد ہے یعنی حکمران کی تدبیر، سرپرستی، حمایت اور اپنے قرب و جوار کی حفاظت میں جنگ کرنا ۔"

شرعی حوالے سے جہاد بالسیف کے درست اور جائز ہونے کے لیے بنیادی اور لازمی شرط یہ ہے کہ وہ نظم اجتماعی کے تحت ریاست کے حکمران کی اجازت سے کیا جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حاکم وقت کے مطیع اور اس کے نافرمان، دونوں قسم کے مجاہدین کے اجرو ثواب

میں فرق و امتیاز بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلْغَزْوُ غَزْوَانِ، فَأَمَّا مَنِ ابْتَغٰی وَجْهَ اﷲِ وَأَطَاعَ الإِمَامَ وَأَنْفَقَ الْكَرِيْمَةَ وَيَاسَرَ الشَّرِيْكَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَإِنَّ نَوْمَهُ وَنُبْهَهُ أَجْرٌ كُلُّهُ، وَأَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَسُمْعَةً وَعَصَى الْإِمَامَ وَأَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ لَمْ يَرْجِعْ بِالْكَفَافِ. (13)

''جہاد دو قسم کے ہیں: جس نے رضائے الٰہی کو چاہا، حاکم کی پیروی کی، عمدہ مال خرچ کیا، ساتھی سے نرمی برتی اور فساد سے بچا تو یقینا اس کا سونا اور جاگنا سب ہی باعثِ ثواب ہیں۔ دوسرا وہ کہ جس نے اپنی برتری، ریاکاری اور دوسروں کو (اپنی جرأت و بہادری کے واقعات) سنانے کی خاطر جہاد بالقتال کیا، حاکم کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ (ثواب سے محروم) محض خالی ہاتھ لوٹتا ہے۔''

اسلام کا یہ بھی ایک مسلمہ اصول ہے کہ حاکمِ وقت چاہے اچھا ہو یا برا، جہاد اس کی سرکردگی میں ہی کیا جائے گا، نظم ریاست توڑ کر جو عسکری اقدام کیا جائے اسے جہاد نہیں کہا جا سکتا۔ اس اصول کو تاکید کے ساتھ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ أَمِيرٍ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا (14)

''تم پر جہاد (صرف اس وقت کے) امیر کی سربراہی میں واجب ہے، وہ امیر چاہے نیک ہو یا بد۔''

ریاستی سربراہ کی اجازت کے بغیر قتال کرنا کتنا بڑا جرم ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیں کہ جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے قبیلہ بنو جَذیمہ کے ساتھ حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر قتال کیا تو اس پر آپ ﷺ شدید ناراض ہوئے۔ ریاستِ مدینہ کی طرف سے نہ صرف مقتولین کی دیت ادا کی گئی بلکہ ان کی اِس حرکت کو أمر الجاهلية بھی قرار دیا۔ اس سے ایک اہم اصول یہ بھی وضع ہوتا ہے کہ اگر فوج کا کوئی اہم منصب دار ریاستی اتھارٹی کی اجازت کے بغیر کوئی کاروائی کرے تو نہ صرف یہ کہ سربراہ ریاست اسے خلافِ قانون قرار دے بلکہ متاثرین کے نقصان کا ازالہ بھی کرے۔ علامہ شمس الدین ابو بکر سرخسی(۴۰۰ھ-۴۸۳ھ) اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضور نبی اکرمﷺ نے جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو جذیمہ کی طرف داعی بنا کر بھیجا، نہ کہ مقاتل بنا کے۔ حضرت خالد نے جو کچھ (وہاں) کیا اس کی خبر جب آپﷺ کو پہنچی تو آپ نے حضرت علیؓ کو مالی امداد دے کر بھیجا اور فرمایا! ان لوگوں کے پاس جا ؤ اور زمانہ جاہلیت کی رسم کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالو اور ہر شخص کو حسب حیثیت کچھ مال دو۔ پھر حضرت علیؓ ان کے پاس آئے اور ان کی مالی مدد فرمائی۔"(15)

جس طرح ڈھال کے بغیر مجاہد کے زخمی ہونے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے اسی طرح سربراہِ ریاست کے بغیر جنگ میں فائدے کی بجائے نقصان کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ پرائیویٹ جہادی تنظیمیں، جو نہ تو کسی ریاست کے نظمِ اجتماعی کے تحت ہیں اور نہ ہی کسی ریاستی سربراہ کی سمع طاعت میں، وہ سراسر فساد ہیں۔ یہ وہ لشکر اور گروپ ہیں جن کا دین اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اسلام کو بدنام اور داغدار کرنے کی غرض سے دانستہ یا نا دانستہ طور پر دشمن کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں اور مسلم ریاستوں پر حملہ کرنے کے لیےدشمن کو جواز فراہم کرتے ہیں۔

فقہائے اسلام کی تصریحات

تمام ائمہ و فقہاء نے مذکورہ روایات سے استدلال کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کی ہے کہ جہاد صرف حکمران کی اجازت سے ہی ہو گا۔ ان میں سے چند ائمہ و فقہاء کی تصریحات درج ذیل ہیں:

۱۔ جہاد کے لیےحاکمِ وقت کی معیت کو لازمی قرار دیتے ہوئے امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْغَزْوُ مَاضٍ مَعَ الْإِمَامِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ لَا يُتْرَكُ.(16)

"جہاد بالقتال قیامت تک حاکمِ وقت کی معیت میں جاری رہے گا چاہے وہ نیکوکار ہو یا گناہ گار، اور اسے ترک نہیں کیا جائے گا۔"

۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی (۱۸۹ھ) بیان کرتے ہیں محض عسکریت پسندوں کی طرف سے کیے گئے حملہ کی صورت میں دار العہد سے کیا ہوا معاہدہ ختم نہیں ہو گا۔ بین الممالک معاہدہ

اس وقت تک ختم ہو گا جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کاروائی حکومت کی اجازت یا اس کی رضا مندی سے ہوئی ہے۔ اگر ریاست اس حملہ میں ملوث نہیں تھی تو امن معاہدہ حسب سابق قائم رہے گا۔ حنفی امام علاؤ الدین ابوبکر کاسانی (۵۸۷ھ) مسئلہ زیر بحث میں لکھتے ہیں:

"اور اگر کوئی (دار العہد کا) گروہ حکمران کی اجازت کے بغیر نکل کر دار الاسلام میں رہزنی کرے تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ اگر تو وہ ایسا گروہ ہے جنہیں قوتِ مقابلہ و انتقام حاصل نہیں تو اس سے معاہدہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ بغیر قوتِ مقابلہ و انتقام کے رہزنی کو نقضِ عہد کے لیے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔"(17)

۳۔ معروف حنفی امام قاضی ابویوسف (۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج میں واضح طور پر بیان کیا ہے کہ کوئی جہادی کاروائی سربراہ مملکت یا متبادل ریاستی اتھارٹی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی:

"امام یا جسے وہ کسی لشکر کا سربراہ (امیر) بنائے، کی اجازت کے بغیر کوئی لشکر کشی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی مسلمانوں کے لشکر میں سے کوئی شخص امیر لشکر کی اجازت کے بغیر مشرکین کے کسی شخص پر حملہ یا اس کے ساتھ جنگ کرے گا۔"(18)

۴۔ آیت خُذُوْا حِذْرَكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن عربی(۵۴۳ھ) لکھتے ہیں

"جہاد کے لیےفوج صرف امام کی اجازت سے ہی نکلے تاکہ اس حاکم کو ان (کی ضروریات) کا احساس ہو اور وہ ان کے پیچھے ان کی قوت و طاقت ہو کیوں کہ فوج اکثر و بیشتر اس (حاکم) کی مدد و اعانت کی محتاج ہوتی ہے ۔"(19)

۵۔ آیت وَلَوْ لَا دَفْعُ اللهِالنَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (20) کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

"جان لیجئے کہ جس طرح لڑائی جھگڑوں‌کو دور کرنے کے لئے شریعت (قانون) کا ہونا ضروری ہے اسی طرح نفاذِ شریعت (قانون)کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے،یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! اسلام اور حکومت دونوں جڑواں بھائی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ اسلام امیر ہے اور حکمران نگران و نگہبان ہے، لهذا جس کا امیر نہ ہو تو وہ

شکست خوردہ ہے اور جس کا نگران نہ ہو وہ گم گشتہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دنیا کی طرح طرح کی شرارتوں کو شریعت کے احکام وضع فرما کر ، حکمران مقرر فرماکر اور انہیں قوت واقتدار عطا فرما کر دور کر دیا ہے۔ "(21)

۶۔ جہاد بالقتال کو حکمران کی اجازت و نگرانی سے مشروط کرتے ہوئے امام ابن قدامہ مقدسی (م۶۲۰ھ) حنبلی فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوْزُ إِلَّا بِإِذْنِ الْأَمِيْرِ لِأَنَّ أَمْرَ الْقِتَالِ مَوْكُوْلٌ إِلَيْهِ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِرِجَالِه. (22)

"جہاد بالقتال صرف حکمران کی اجازت سے جائز ہوتا ہے کیونکہ جہاد کا معاملہ اسی کے سپرد ہے اور وہ اپنے رِجال (یعنی فوج اور اس کی قوت) سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔"

۷۔ امام شرف الدین نووی (۶۷۶ھ) حدیثِ مبارکہ "وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا"(جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو فوراً نکل کھڑے ہوا کرو)۔" کی شرح میں لکھتے ہیں:

مَعْنَاهُ إِذَا طَلَبَكُمُ الْإِمَامُ لِلْخُرُوجِ إِلَى الْجِهَادِ فَاخْرُجُوْا (23)

"اس کا معنی ہے کہ جب تمہیں امام (سربراہ ریاست) جہاد بالقتال کے لئے نکلنے کو کہے تو نکل پڑو۔"

۸۔ حکومت کی اجازت کے بغیر شروع ہونے والے مسلح جہاد میں نیک اور صالح لوگوں کو حصہ نہ لینے کی تلقین کرتے ہوئے علامہ ابنِ تیمیہ (۷۲۸ھ) بیان کرتے ہیں:

اَلْجِهَادُ لَا يَقُومُ بِهِ إِلاَّ وُلَاةُ الْأُمُوْرِ، فَإِنْ لَمْ يُغْزَ مَعَهُمْ، لَزِمَ أَنَّ أَهْلَ الْخَيْرِ الْأَبْرَارَ لَا يُجَاهِدُوْنَ (24)

"حکمرانوں کی اجازت سے ہی جہاد کا نفاذ ہوتا ہے، پس اگر جہاد حکمرانوں کی معیت میں نہ ہوا تو لازم ہے کہ نیک اور صالح لوگ جہاد بالقتال میں حصہ نہیں لیں گے۔"(یعنی ایسے جہاد میں جو سربراہ مملکت کی اِجازت کے بغیر ہو، نافرمان اور باغی قسم کے لوگ ہی شریک ہوں گے لہذا یہ اصلاً جہاد نہیں بلکہ فساد فی الارض ہوگا۔"

۹۔ شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ) اذن جہاد کو سلطان وقت کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے امام شافعی کا مؤقف درج کرتے ہیں:

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ مِنَ السُّلْطَانِ دُوْنَ غَيْرِهِ (25)

”امام شافعی نے فرمایا: ”جہاد کی اجازت سلطان کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔“

۱۰۔ امام بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) اسی مؤقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَإِنَّمَا أُجِيْزُهُ مِنَ السُّلْطَانِ دُوْنَ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ يَغْزُو بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّهِ (26)

”امام شافعی نے فرمایا: "بے شک میرے نزدیک حکمران کے علاوہ کوئی اور جہاد کی اجازت نہیں دے سکتا کیوں کہ صرف حکمران ہی اپنے اس خاص حق سے جہاد کا حکم دیتا ہے“

۱۱۔ جہاد بالقتال کو اسلامی مملکت کے سربراہ کے اذن کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے علامہ ابراہیم بن محمد ابن مفلح حنبلی (۸۱۶-۸۸۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَجُوْزُ الْغَزْوُ إِلَّا بِإِذْنِ الأَمِيرِ (27)

”حکمران کی اجازت کے بغیر دشمن کے خلاف جہاد بالقتال جائز نہیں ہے۔“

۱۲۔ حدیث ”وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا“ کی شرح کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

مَعْنَاهُ إِذَا دَعَاكُمُ السُّلْطَانُ إِلَى الْغَزْوِ فَاذْهَبُوا (28)

”اس سے مراد ہے کہ جب تمہیں حکمران جہاد بالقتال کی طرف بلائے تو نکل پڑو۔“

۱۳۔ سلفی عالم محمد بن صالح العُثَيْمِين (م ۱۴۲۱ھ) آیت مبارکہ (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (29)) کی تفسیر کے تحت جہاد بالقتال کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا بُدَّ مِنْ شُرُوطٍ ...... وَمِنْهَا أن يَكُوْنُوا تَحْتَ رَايَةِ إِمَامٍ يُجَاهِدُوْنَ بِأَمْرِهِ. (30)

”ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ کسی حکمران کے جھنڈے تلے ہو کر اس کے حکم سے جہاد کریں۔“

۱۴۔ مفتی سید نذیر حسین دہلوی جہاد بالقتال کے لیے سربراہ ریاست کے اذن کو لازمی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ”مسلمانوں کا کوئی امامِ وقت و سردار ہو“ (31)۔ اپنے اس موقف پر

دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ ہمارا کوئی سردار اور امامِ وقت متعین کر دیں تا کہ ہم اس کی امامت میں جہاد کریں۔(32)

محولہ بالاتمام دلائل سے واضح ہوا کہ جب کوئی ہیئت مقتدرہ یا سربراہ ریاست محسوس کرے کہ اب جہاد بالسیف کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے تو وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے۔ جہاد کی اس اہم شرعی شرط کو نظر انداز کر کے کوئی بھی مسلح اقدام جہاد فی سبیل اللہ نہیں بلکہ ریاست اور اس کے شہریوں کے خلاف فتنہ و فساد اور شر کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ دو ریاستوں کے درمیان تعلقات اس وقت خراب ہوتے ہیں جب کوئی لشکر یا گروہ حکمران کی اجازت کے بغیر از خود مسلح کاروائی کا آغاز کر دیتا ہے۔ اس غیر مشروع عمل سے نہ صرف کسی ریاست کی شہرت اور ساکھ متاثر ہوتی ہے بلکہ ایسا ملک عالمی برادری میں بھی تنہا رہ جاتا ہے۔

تیسری شرط- واجبی حربی تیاری کے بغیر جہاد بالقتال میں توقف کا حکم

کسی بھی اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ وہ جہاد بالسیف سے قبل اس امر کو یقینی بنائے کہ کیا اس کے پاس دشمن کی حربی صلاحیت اور جدید عصری تقاضوں کے مطابق کم از کم مطلوبہ طاقت میسر ہے؟۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر واجبی حربی تیاری کے بغیر افواج کو میدانِ جنگ میں دھکیل دینا خودکشی کے مترادف ہو گا۔ اس حوالے سے عہد نبوی ﷺ کا پورا مکی دور ہمارے لیے بہترین نظیر ہے۔

مکی عہد میں جہاد بالسیف سے اجتناب کی حکمت

سب کو معلوم ہے کہ مکی دور میں تمام تر تشدد و سفاکیت کے باوجود اصحاب رسول aکو اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ مسلح تصادم کے ذریعے اپنا دفاع کر سکیں۔ مکی حکمت عملی ہی یہ تھی کہ جب تک کم از کم مطلوبہ قوت میسر نہ ہو اپنے دفاع میں بھی کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ اس عسکری حکمت عملی کا یہ فائدہ ہوا کہ جب مدینہ آکر مسلمانوں کا ریاست مکہ کے ساتھ پہلا مسلح تصادم ہوا تو محفوظ کی گئی افرادی اور جذباتی صلاحیتوں کو مسلمانوں نے بھر پور استعمال کیا اور شاندار فتح حاصل کی۔ جہاد بالسیف سے قبل مطلوبہ طاقت کے حصول کے لازم ہونے پر قرآن و حدیث میں متعدد

دلائل ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن کا واضح اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی طاقت سے بڑھ کر اس سے کسی امر کا تقاضا نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

لَا يُكَلِّفُ االلهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (33)

''اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔''

۲۔ سورہ الأنفال میں اس اصول کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّةٖ وَمِن رِّبَاطِ ٱلۡخَيۡلِ تُرۡهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَءَاخَرِينَ مِن دُونِهِمۡ لَا تَعۡلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعۡلَمُهُمۡۚ. (34)

''اور (اے مسلمانو!) ان کے (مقابلے کے) لیے تم سے جس قدر ہو سکے (ہتھیاروں اور آلاتِ جنگ کی) قوت مہیا کر رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑوں کی (کھیپ بھی) اس (دفاعی تیاری) سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراتے رہو اور ان کے سوا دوسروں کو بھی جن (کی چھپی دشمنی) کو تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔''

آیت قرآنی میں وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّة کے الفاظ نے واضح کر دیا کہ مسلح تصادم سے قبل دشمن کے مقابلے میں مطلوبہ قوت مہیا ہونا نہایت ضروری ہے۔

امام بغوی (۴۳۶- ۵۱۶ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اتِّخَاذُ الشَّيْءِ لِوَقْتِ الْحَاجَة. مِنْ قُوَّة، أَيْ: مِنَ الْآلَاتِ الَّتِي تَكُونُ لَكُمْ قُوَّة عَلَيْهِمْ مِنَ الْخَيْلِ وَالسِّلَاحِ (35)

''اِعداد'' سے مراد کسی چیز کو حاجت کے وقت قوت اور مضبوطی کے ساتھ اختیار کرنا ہے۔ مراد ایسا جنگی ساز و سامان ہے جو ان کے خلاف تمہاری قوت ہو یعنی گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ۔''

مراد یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں قُوَّۃ کے معنی ہتھیار اور سامان لڑائی کے ہیں۔

عصر حاضر میں الْقُوَّۃ اور رِبَاطِ الْخَيْلِ سے مراد سریع الرفتار جنگی طیارے، جدید ٹیکنالوجی کے حامل بحری بیڑے، بکتر بند گاڑیاں، ٹینک اور دورانِ جنگ استعمال ہونے والے دیگرذرائع رسل و رسائل اور ہر قسم کے آلات حرب، جدید میزائل وغیرہ لئے جا سکتے ہیں۔

۳۔ جہاد بالسیف کے لیے مطلوبہ سامانِ حرب کی ناگزیریت واضح کرتے ہوئے سورہ نساء میں ارشاد فرمایا گیا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا. (36)

"اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لیا کرو پھر (جہاد کے لیے) متفرق جماعتیں ہو کر نکلو یا سب اکٹھے ہو کر کوچ کرو"

امام قرطبیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وأمرهم أَلَّا يَقْتَحِمُوا عَلَى عَدُوِّهِمْ عَلَى جَهَالَةٍ حَتَّى يَتَحَسَّسُوا إِلَى مَا عِنْدَهُمْ، وَيَعْلَمُوا كَيْفَ يَرُدُّونَ عَلَيْهِمْ، فَذَلِكَ أَثْبَتُ لَهُمْ فَقَالَ: (خُذُوا حِذْرَكُمْ) فَعَلَّمَهُمْ مُبَاشَرَةَ الْحُرُوبِ(37)

" اور انہیں حکم دیا کہ وہ بلا سوچے سمجھے دشمن کی صفوں میں گھس نہ جائیں حتی کہ جو ہتھیار، سامان جنگ ان کے پاس ہے اس کا خوب پتا لگا لیں اور جان لیں کہ وہ ان پر کیسے حملہ کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ مضبوطی کا باعث ہے فرمایا: (خُذُوا حِذْرَكُمْ) پس انہیں جنگ کرنے کا اسلوب سکھایا۔"

علامہ محمود بن عبد اللہ حسینی آلوسی (۱۲۱۷-۱۲۷۰ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أَيْ عِدَّتُكُمْ وَآلَاتُكُمْ مِنَ السِّلَاحِ (38)

"یعنی تم خود اور تمہارے آلات حرب ہمہ وقت تیار رہیں"

اس آیت میں حِذر سے مراد لڑائی کا آلہ ہے مثلاً ہتھیار وغیرہ کا مہیا ہونا ضروری ہے، اور حدیثوں سے بھی اس کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

اَحادیثِ نبوی میں بھی الْقُوَّۃ سے مراد تیر اندازی اور نشانہ بازی قرار دیا گیا ہے۔ فرمان

رسول ہے:

أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ. (39)

''خبردار، غور سے سنو! **قوت** تیر اندازی ہے، سنو! **قوت** تیر اندازی ہے، سنو! **قوت** تیر اندازی ہے۔''

آج کے جدید دور میں الْقُوَّة الرَّمْيُ سے مراد میزائل ٹیکنالوجی (missile technology) بھی لی جا سکتی ہے، کیوں کہ یہ ہدف کو نشانہ بنانے میں خطا نہیں کرتے۔

عہد نبوی کے عسکری نظائر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کو عددی، عسکری اور جنگی لحاظ سے واجبی حد تک مطلوبہ قوت میسر نہ ہوئی، انہیں کسی اِقدام کی اجازت نہ دی گئی۔ جب تک کسی نتیجہ خیز انجام کے واضح آثار نظر نہ آئیں، اسلام حتی الامکان مسلح تصادم سے اجتناب کرتا ہے۔ جب تک مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں مطلوبہ طاقت، قدرت اور استطاعت میسر نہ ہو، جہاد بالقتال لازم نہیں ہوگا۔

عصر جدید میں حربی طاقت کا مدار اور جدید ٹیکنالوجی

عصر حاضر میں کسی بھی ملک کی جنگی قوت کا انحصار محض افرادی قوت یا کثرتِ اسلحہ پر نہیں بلکہ بہت حد تک جدید ٹیکنالوجی پر ہے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی نے فوجی قوت کے پیمانے بدل دیے ہیں۔ اگر دشمن تعداد میں کم ہے مگر اس کے پاس جدید ترین ہتھیار اور حربی تکنیک موجود ہے، تو آپ اسے کبھی شکست نہیں دے سکتے۔ اس حوالے سے چند اکابر ائمہ کے اقوال ملاحظہ کریں:

۱۔علامہ ابن رشد (م ۵۹۵ھ) امام مالک کے حوالے سے لکھتے ہیں:

أَنَّ الضَّعْفَ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي الْقُوّةِ، لاَ فِي الْعَدَدِ، وَأَنَّه، يَجُوْزُ أَنْ يَفِرَّ الْوَاحِدُ عَنْ وَاحِدٍ إِذَا كَانَ أَعْتَقَ جَوَادًا مِنْهُ وَأَجْوَدَ سَلَاحًا وَأَشَدَّ قُوَّةً (40)

''دوگنے کا معیار قوت ہے نہ کہ عدد، اور اسی وجہ سے جائز ہے کہ تنہا شخص کسی ایک شخص کے مقابلے سے فرار ہوجائے اگر وہ اس سے بہتر گھوڑا، اچھی تلوار یا زیادہ قوت رکھتا ہو۔''

۲۔ دشمن کے مؤثر اسلحہ کے مقابلہ میں مسلم فوج کی حکمت عملی بیان کرتے ہوئے امام محمد بن حسن الشیبانی (۱۳۲-۱۸۹ھ) لکھتے ہیں:

"(دشمن کے مقابلہ میں فرار نہ ہونے کا) یہ حکم اس صورت میں ہے جب ان میں جنگ کی قوت ہو یعنی ان کے پاس اسلحہ ہو۔ جس کے پاس اسلحہ نہ ہو اس کے لیےاسلحہ رکھنے والے کے مقابلے سے فرار اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ اگر اس کے پاس رمی کا آلہ(بندوق وغیرہ) نہ ہو تو وہ رمی کرنے والے سے فرار اختیار کرلے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ قلعے کے دروازے سے اور اس جگہ سے جہاں منجنیق سے گولے پھینکے جا رہے ہوں (نقصان کے خدشہ کے پیش نظر) فرار ہوجائے کیونکہ وہ اس جگہ ٹھہرنے سے عاجز ہوتا ہے۔"(41)

امام محمد دشمن کے شدید حملہ کی صورت میں مسلم آرمی کے لائحہ عمل کو یوں بیان کرتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِالْاِنْهِزَامِ إِذَا أَتَى الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْعَدُوِّ مَا لَا يُطِيْقُهُمْ وَلَا بَأْسَ بِالصَّبْرِ أَيْضًا (42)

"اگر مسلمانوں پر دشمن کا ایسا حملہ ہو جس کے مقابلے کی وہ سکت نہیں رکھتے تو پسپائی اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ ایسی حالت میں صبر و استقامت سے مقابلہ کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔"

۳۔ جہاد کے مباح ہونے کی شرائط میں فتاوی عالمگیری میں صراحتاً لکھا ہے کہ اگر دشمن کے مقابلے میں مناسب قوت اور سامان حرب نہ ہو تو جنگ کرنا خود کشی کے مترادف ہے، لہذا ان حالات میں توقف لازم ہے:

"(جہاد اسی وقت مباح ہے جب) مسلمانوں کو یہ توقع اور امید ہو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل ہو گا، اگر مسلمانوں کو یہ توقع اور امید نہ ہو تو پھر ان کے لیےکفار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ جب مسلمانوں کو جنگ کی قوت اور سامان حرب می-ں برتری حاصل نہ ہو تو پھر ان کا کفار سے جنگ کرنا خود کشی کے

مترادف ہے ۔" (43)

۴۔ آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (44) کی تفسیر میں سلفی عالم محمد بن صالح العُثَيْمِين (۱۴۲۱ھ) دشمن کے ساتھ قتال پر قدرت اور عسکری سامان کو جہاد بالقتال کے لیےلازم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جہاد بالقتال کی فرضیت کے لئے کچھ شرائط ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ قتال پر قدرت ہو، اِس حیثیت سے کہ مجاہدین جسمانی، مالی اور عسکری سامان کی طاقت رکھتے ہوں۔"(45)

چوتھی شرط - فوجی عددی تناسب کا التزام

جہاد بالسیف کی چوتھی شرط یہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں مسلم فوج کی تعداد اتنی ہو کہ وہ ثابت قدمی سے لڑ سکے۔ جنگ میں جانبین کے عددی تناسب پر قرآن و حدیث میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ ان میں سے چند دلائل یہاں درج کیے جاتے ہیں:

ا۔ اسلام کی عسکری تعلیمات کی رو سے دشمن کے مقابلہ میں مسلم سپاہ کی تعداد کم از کم ان سے نصف ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے:

ٱلۡـَٰٔنَ خَفَّفَ ٱللَّهُ عَنكُمۡ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمۡ ضَعۡفٗاۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّاْئَةٞ صَابِرَةٞ يَغۡلِبُواْ مِاْئَتَيۡنِۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمۡ أَلۡفٞ يَغۡلِبُوٓاْ أَلۡفَيۡنِ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ (46)

"اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک) سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں (تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے (ایک) ہزار ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آئیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (یہ مومنوں کے لیے ہدف ہے کہ میدانِ جہاد میں ان کے جذبہ ء ایمانی کا اثر کم سے کم یہ ہونا چاہیے"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مذکورہ آیت اور اس سے ما قبل آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ (إِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (47)) شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ حِيْنَ فُرِضَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَّ وَاحِدٌ مِنْ عَشَرَةٍ فَجَاءَ التَّخْفِيْفُ، فَقَالَ: (اَلْآنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (48))،(49)

"جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی (اگر تم میں سے (جنگ میں) بیس (۲۰) ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو (۲۰۰ جنگ جُو کفار) پر غالب آئیں گے) جب مسلمانوں پر یہ حکم فرض ہوا تو اُن پر یہ گراں گزرا کہ ایک آدمی دس کے مقابلے سے نہ بھاگے۔ پھر اس میں تخفیف کا حکم آگیا اور فرمایا: (اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک) سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں (تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے)"

یہ اللہ کریم کی طرف سے امتِ مسلمہ کے لئے تخفیف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دشمن کی تعداد مسلم فوج کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو تو عسکری حکمت کے تحت مسلم لشکر پیچھے ہٹ سکتا ہے۔

۲۔ ایک دفعہ صحابہ کرام کا ایک جنگی لشکر دشمن کی قوت اور تعداد کو دیکھ کر حکمتاً میدانِ جنگ سے واپس لوٹ آیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر j بیان کرتے ہیں جب ہم لوٹے تو ہم نے کہا اب کیا کریں؟ ہم تو مقابلے کو چھوڑ کر غضب کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ہم مدینہ منورہ آکر نمازِ فجر سے پہلے مسجد میں حضور ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہوگئے اور عرض کیا:

نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ، فَأَقْبَلَ إِلَيْنَا فَقَالَ: لَا، بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُونَ. قَالَ: فَدَنَوْنَا فَقَبَّلْنَا يَدَهُ، فَقَالَ: إِنَّا فِئَةُ الْمُسْلِمِيْنَ (50)

"ہم جنگ سے فرار ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے ہماری جانب متوجہ ہو کر فرمایا، نہیں! بلکہ تم (تیاری کے بعد) پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔ ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں!

ہم (حضور ﷺ کے) نزدیک ہوئے اور ہم نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا: ہم مسلمانوں کی پناہ گاہ ہیں۔“

۳۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب حضرت ابو عبیدہ بن مسعودؓ قادسیہ کے مقام پر مجوسیوں کے کثیر لشکر سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس موقع کی عسکری حکمت عملی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

يَرْحَمُ اللهُ أَبَا عُبَيْدَةَ، لَوِ انْحَازَ إِلَيَّ لَكُنْتُ لَه فِئَةً.(51)

” اللہ تعالیٰ ابو عبیدہ پر رحم فرمائے اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کی پناہ گاہ ہوتا “

اس فرمانِ فاروق اعظم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے غیر مسلموں کی عددی کثرت کے مقابلہ میں حضرت ابو عبیدہؓ کا واپس لوٹ آنا ان کے نزدیک بہترین عسکری حکمت عملی تھی ۔

۴۔ حافظ ابنِ کثیر (۷۰۱-۷۷۴ھ) اور علامہ بدر الدین عینی حنفی (۷۶۲-۸۵۵ھ) شریعت کی عطا کردہ اسی تخفیف کے متعلق اکابر تابعین کا نقطۂ نظر یوں بیان کرتے ہیں:

”جس وقت دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد نصف ہو تو ان کے لئے اپنے دشمن سے راہِ فرار اختیار کرنا جائز نہیں لیکن جب وہ عدد میں اس سے بھی کم ہو تو ان پر کفار سے جہاد واجب نہیں اور ان کے لئے جائز ہے کہ مزید جنگی تیاری کے لئے پیچھے ہٹ جائیں۔ علی بن ابی طلحہ اور العوفی نے حضرت ابنِ عباسؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام ابنِ ابی حاتم نے کہا ہے کہ مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن بصری، زید بن اسلم، عطاء خُراسانی اور ضحاک و دیگر سے بھی اسی طرح مذکور ہے۔“(52)

۵۔ امام بغوی(۴۳۶- ۵۱۶ھ) سورۃ الانفال کی آیت: ۶۶ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اکثر اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جب دشمن کے حساب سے مسلمانوں کی تعداد آدھی ہو تو ان کے لئے وہاں سے فرار ہونا اور میدان سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں سوائے یہ کہ جنگ کے لیے کوئی داؤ چل رہا ہو یا اپنے کسی لشکر سے تعاون کے لئے ملنا چاہتا ہو، ہاں اگر مسلمان نصف سے کم ہوں تو ان کے لئے جنگ کو ترک کر دینا اور دشمنوں سے اِعراض کرنا جائز ہے۔“(53)

۶۔ جہاد بالسیف کے لیے حتی الوسع عددی تناسب کی رعایت کے حوالے سے مفتی نذیر حسین دہلوي لکھتے ہیں کہ:

"مسلمانوں کا لشکر اتنا ہو کہ کفار کے مقابلہ میں مقابلہ کر سکتا ہو یعنی کفار کے لشکر کے آدھے سے کم نہ ہو"۔ (54)

محولہ بالا تمام دلائل سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اگر دشمن کے مقابلہ میں مسلم فوج نصف سے بھی کم ہو تو ان حالات میں مسلم فوج کے لیےمیدان جنگ سے حکمتًا واپس لوٹ آنا جائز ہے، ان حالات میں جہاد بالسیف واجب نہیں، لیکن اگر مسلمانوں کو کامیابی کے واضح آثار نظر آرہے ہوں تو دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جانا قابل ستائش ہے۔

پانچویں شرط-جہاد بالسیف سے قبل الٹی میٹم کی فرضیت

جہاد بالسیف سے قبل الٹی میٹم دینا یا جنگ کا باضابطہ اعلان کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر دشمن سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو یا وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو جنگ سے قبل اس معاہدہ کو منسوخ کرنا لازم ہے۔اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوۡمٍ خِيَانَةً فَٱنۢبِذۡ إِلَيۡهِمۡ عَلَىٰ سَوَآءٍۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلۡخَآئِنِينَ (55)

"اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف برابری کی بنیاد پر پھینک دیں۔ بے شک اللہ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا"

مذکورہ آیت یہ بات بالکل واضح کر رہی ہے کہ مسلم ریاست کو کسی ملک کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی خفیہ مسلح کارروائی(Proxy War) کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ فَٱنۢبِذۡ إِلَيۡهِمۡ عَلَىٰ سَوَآءٍکے الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر کسی ملک سے جنگ لڑنی ناگزیر ہو جائے تو حکومت علانیہ طور پر اس ملک کے ساتھ طے پانے والے معاہدات کو منسوخ کردے۔ اس سلسلہ میں ائمہ کرام کی توضیحات ملاحظہ ہوں:

آئمہ کرام کی توضیحات

ا۔ علامہ ابو اللیث سمر قندی(۳۷۳ھ) جنگ سے قبل دشمن کو مطلع کرنے اور انہیں الٹی میٹم (ultimatum) دینے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''(فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ) کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ انہیں بتا دیں کہ آپ نے اُس عہد کو فسخ کر دیا ہے۔ انہیں جنگ کا بھی بتادیں تاکہ آپ اور وہ معاہدہ کے اختتام سے برابر طور پر آگاہ ہو جائیں۔''(56)

۲۔ امام رازی (۶۰۶ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

''اور اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً) سے مراد معاہدین سے خیانت اور ظاہری علامات کے ساتھ عہد شکنی(یعنی خفیہ طور پر جنگ کرنے) سے ڈرو، (فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ) اور (عہد شکنی کے خدشہ کی صورت میں) ان کی طرف ان کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو برابری کی سطح پر پھینک دیں۔۔۔۔۔ اور ان کے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی اور عجلت نہ کریں جب کہ وہ معاہدے کے برقرار ہونے کے وہم میں ہوں۔''(57)

۳۔ امام طبری (۳۱۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ اگر دشمن اور آپ کے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور اس امر کا خوف ہو کہ وہ اپنے عہد کو توڑ دے گا توجنگ کرنے سے پہلے ان کو بتادیں کہ اب عہد ختم ہو چکا ہے۔

'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد! اگر آپ کو اپنے ایسے دشمن سے، جس کے اور آپ کے درمیان کوئی معاہدہ اور عقد ہو، اس بات کا خوف ہو کہ وہ اپنے عہد اور عقد کو توڑ دے گا اور آپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا، تو یہی خیانت اور بد عہدی ہے۔ ان کا عہد برابری کی سطح پر ختم کردیں اور ان کے ساتھ جنگ کریں۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے ان کو بتادیں کہ آپ نے وہ عہد جو آپ کے اور ان کے درمیان تھا، ختم کر دیاہے کیونکہ ان کی طرف سے عہد شکنی اور خیانت کے واضح آثار ظاہر ہو رہے تھے۔''(58)

امام طبری اختتام معاہدہ کے اعلان کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں:

وَمَعْنَى قَوْلِهِ "عَلَىٰ سَوَآءٍ" أَيِ حَتّٰى يَسْتَوِيَ عِلْمُكَ وَعِلْمُهُمْ بِأَنَّ كُلَّ فَرِيْقٍ مِنْكُمْ حَرْبٌ لِصَاحِبِهِ لاَ سِلْمٌ. (59)

''اللہ تعالیٰ کے فرمان ''عَلَىٰ سَوَآءٍ'' سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺاور اُن (دشمنوں) کا علم اس حوالے سے برابر ہو جائے کہ فریقین ایک دوسرے کے لیے محارب ہیں اور

(باہم) امان نہیں ہے ''

۴۔ حافظ ابن کثیر(۷۰۱-۷۷۴ھ) بیان کرتے ہیں کہ جہاد اعلانیہ ہونا چاہیے، اگر کوئی معاہدہ وغیرہ ہو تو پہلے اسے فسخ کیا جائے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

أَعْلِمْهُمْ بِأَنَّكَ قَدْ نَقَضْتَ عَهْدَهُمْ حَتَّى يَبْقَى عِلْمُكَ وَعِلْمُهُمْ بِأَنَّكَ حَرْبٌ لَهُمْ وَهُمْ حَرْبٌ لَكَ وَأَنَّهُ لَا عَهْدَ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ أَي تَسْتَوِي أَنْتَ وَهُمْ فِي ذَلِكَ. (60)

''ان کو خبر کر دو کہ تم نے ان کے معاہدہ کو ختم کر دیا ہے۔ تاکہ تم پر اور ان پر واضح ہو جائے کہ اب تم ان کے اور وہ تمہارے دشمن ہیں اور اب تمہارے اور ان کے درمیان کوئی عہد باقی نہیں رہا۔ یعنی عہد نہ ہونے میں آپ اور وہ برابر ہوں۔''

۵۔ شارح صحیح بخاری امام ابن حجر عسقلانی(۷۷۳-۸۵۲ھ) نے لکھا ہے:

''اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: (وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوۡمٍ خِيَانَةً فَٱنۢبِذۡ إِلَيۡهِمۡ عَلَىٰ سَوَآءٍ) سے مراد یہ ہے کہ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں اور یہ اس طرح کہ ان کی طرف قاصد بھیجیں جو انہیں بتائے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "علی سوائ" کا مطلب انہی کی مثل(عہد ان کی طرف پھینک دیں)۔۔۔۔۔۔ اور ازہری نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کسی قوم سے کوئی معاہدہ کریں پھر آپ کو ان سے اس بات کا خدشہ ہو کہ وہ عہد کو توڑ دیں گے تو صرف اس خدشہ کی بناء پر ان پر حملہ نہ کریں یہاں تک کہ انہیں بتاو(کہ اب حالتِ جنگ بحال ہو چکی ہے)۔'' (61)

۶۔ امام شمس الدین سرخسی (۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف برابری کی بنیاد پر پھینک دیں۔) یعنی تم اور وہ اس فسخِ معاہدہ کوجاننے میں برابر ہوں۔ (فرمایا)پس ہم جان گئے کہ ان کے ساتھ معاہدہ ختم کےے بغیرلڑائی جائز نہیں۔''(62)

حاصل تحقیق

یہاں اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ شرعاً جہاد بالسیف کی اصطلاح صرف اس جنگ کے لیے استعمال کی جاسکتی ہےں جو قرآن و حدیث میں بیان کردہ شرائط و اوصاف کی حامل ہو۔ ان شرائط کو شرح وبسط کے ساتھ ائمہ تفسیر و حدیث اور فقہاء و مجتہدین نے اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔ عصر حاضر کے پرائیویٹ جہاد کا تقابل اگر جہاد بالسیف کی شرائط اور آداب سے کیا جائے تو یہ امر روز روش کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ دونوں میں کوئی بھی قدرِ مشترک نہیں ہے۔ مختلف غیر ریاستی عناصر کی ان کاروائیوں کو جہاد قرار دینا قطعی طور پر غلط اور اسلام کے روشن چہرے کو داغدار کرنے کے مترادف ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(1) آل عمران، ۳: ۱۰۳۔

(2) الأنعام، ۶: ۱۵۹۔

(3) مسلم، أبو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶- ۲۶۱ھ)، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن وفی کل حال وتحریم الخروج علی الطاعۃ ومفارقۃ الجماعۃ، بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ج: ۳، ص: ۱۴۷۶، رقم: ۱۸۴۸۔

(4) حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱-۴۰۵ھ/۹۳۳-۱۰۱۴ء)، المستدرک علی الصحیحین، بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ، ج: ۱، ص: ۱۹۹، رقم: ۳۹۱۔

(5) دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ السنن، المقدمۃ، باب فی ذھاب العلم، بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ، ج:۱، ص:۹۱، رقم: ۲۵۱۔

(6) البقرۃ، ۲: ۲۴۶۔

(7) النساء، ۴: ۷۵۔

(8) بخاری، الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب یقاتل من وراء الإمام ویتقی بہ، بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، ۱۹۸۷ء، ج: ۳، ص: ۱۰۸۰، رقم: ۲۷۹۷۔

(9) قسطلانی، ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد (۸۵۱۔۹۲۳ھ/۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء) اِرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، مصر: مطبعہ کبریٰ امیریہ، ۱۳۰۴ھ، ج: ۵، ص: ۱۱۹-۱۲۰۔

(10) نووی، ابو زکریا یحی بن شرف بن مری، شرح علی الصحیح المسلم، کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء، ج: ۱۲، ص: ۲۳۰۔

(11) عینی، بدر الدین أبو محمد محمود بن احمد بن موسی، (۷۶۲۔۸۵۵ھ)، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ، ج: ۱۴، ص: ۲۲۲۔

(12) انور شاہ کشمیری، محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیری (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) فیض الباری علی صحیح البخاری، قاہرہ، مصر: مطبعہ حجازی، ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء، ج: ۴، ص: ۲۰۷۔

(13) ابو داود، سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)، السنن، کتاب الجہاد، باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا، بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء، ج: ۳، ص: ۱۳، رقم: ۲۵۱۵۔

(14) أبوداود، السنن، کتاب الجہاد، باب الغزو مع أئمۃ الجور،ج: ۳، ص:۱۸، رقم: ۲۵۳۳۔

(15) سرخسی، شمس الدین ابو بکر محمد بن اسماعیل، کتاب المبسوط، بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ج: ۲۰، ص: ۱۴۳۔

(16) احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد(۲۱۳۔ ۲۹۰ھ)، أصول السنۃ، السعودیۃ: دار المنار، ۱۴۱۱ھ ،ص: ۵۔

(17) کاسانی، علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود بن أحمد، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء، ج: ۷، ص: ۱۰۹۔

(18) ابو یوسف یعقوب بن إبراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ الانصاری (م ۱۸۲ھ) کتاب الخراج، قاہرہ، مصر: المکتبۃ الازہریۃ للتراث، س ن، ص: ۲۱۷۔

(19) ابن عربی، ابو بکر محمد عبد اللہ (۵۴۳ھ)، أحکام القرآن، بیروت، لبنان: دارالمعرفہ،ج: ۱، ص: ۵۸۱۔

(20) البقرۃ، ۲: ۲۵۱۔

(21) رازی، فخر الدین محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تمیمی شافعی، (۵۴۴- ۶۰۴ھ) مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ ،ج: ۶، ص: ۱۶۲۔

(22) ابن قدامہ، عبد اللہ بن أحمد بن محمد، الکافی فی فقہ أحمد بن حنبل، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء، ج: ۴، ص: ۲۸۲-۲۸۳

(23) نووی، شرح علی الصحیح المسلم، ج: ۱۳، ص: ۸-۹۔

(24) ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔ ۱۳۲۸ء)۔ منھاج السنۃ۔ مصر: مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق، ج: ۶، ص: ۱۱۸۔

(25) ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر کنانی شافعی، فتح الباري شرح صحیح البخاري، لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ،۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، ج: ۶، ص: ۱۲۴۔

(26) عینی، بدر الدین أبو محمد محمود بن احمد بن موسی، (۷۶۲۔۸۵۵ھ)، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ، ج: ۱۴، ص: ۲۳۱۔

(27) ابن مفلح، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ حنبلی، المبدع في شرح المقنع۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی،ج: ۳، ص: ۳۴۹

(28) سیوطی، الدیباج علی مسلم، ج: ۳, ص: ۳۹۹۔

(29) البقرۃ، ۲: ۲۱۶۔

(30) ابن عثیمین، تفسیر القرآن العظیم،ج: ۳ ، ص: ۴۹-۵۰۔

(31) مفتی نذیر حسین دہلوي، فتاویٰ نذیریہ، ۳: ۲۸۲

(32) البقرۃ ،۲: ۲۴۶۔

(33) البقرۃ، 2: 286۔

(34) الأنفال، ۸: ۶۰۔

(35) بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء) معالم التنزیل، بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربي، ۱۴۲۰ھ، ج:۲ ، ص: ۳۰۳۔

(36) النساء،4: 71

(37) قرطبیؒ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج أموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ الجامع لاحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ج: ۵، ص: ۲۷۳۔

(38) آلوسی، امام شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ملتان، پاکستان، مکتبہ امدادیہ، ج: ۳، ص: ۷۷۔
(39) مسلم، الصحیح، کتاب الإمارۃ، باب فضل الرمی والحثّ علیہ وذم من علمہ ثم نسیہ، ج: ۳، ص: ۱۵۲۲، رقم: ۱۹۱۷۔
(40) ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد القرطبی اندلسی (۵۲۰- ۵۹۵ھ/ ۱۱۲۶-۱۱۹۸ء)، بدایۃ المجتهد ونهایۃ المقتصد، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱، ص: ۲۸۳۔
(41) شیبانی، أبو عبد اللہ محمد بن حسن، شرح کتاب السیر الکبیر، باب الفرار من الزحف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ، ج: ۱، ص: ۸۹
(42) ایضاً، ج: ۱، ص: ۱۲۵۔
(43) ملا نظام برہان پوری، شیخ (م ۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء) الفتاوی الھندیہ (المعروف فتاوی عالمگیری) بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء، ج: ۲، ص: ۱۸۸۔
(44) البقرۃ، ۲: ۲۱۶۔
(45) ابن عثیمین، تفسیر القرآن العظیم،ج: ۳، ص: ۴۹۔
(46) الأنفال، ۸: ۶۶۔
(47) الأنفال، ۸: ۶۵۔
(48) الأنفال، ۸: ۶۶۔
(49) بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب (الآن خفف اللہ عنکم)،ج: ۴، ص: ۱۷۰۷، رقم: ۴۳۷۶۔
(50) أبو داود، السنن، کتاب الجھاد، باب فی التولی یوم الزحف،ج: ۳، ص: ۴۶، رقم: ۲۶۴۷۔
(51) ابن أبی زمنین، تفسیر القرآن،ج: ۲، ص: ۱۷۰۔
(52) ابن کثیر، أبو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۰ھ، ج: ۲، ص: ۳۲۵۔
(53) بغوی، معالم التنزیل، ج: ۲، ص: ۲۳۷۔
(54) نذیر حسین دہلوی، مفتی، فتاویٰ نذیریہ،ج: ۳، ص: ۲۸۴۔
(55) الأنفال، ۸: ۵۸۔

(56) سمرقندی، ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم حنفی (۳۳۳-۳۷۳ھ) بحر العلوم (تفسیر السمرقندی)۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ج: ۲، ص: ۲۸۔

(57) رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، ج: ۱۵، ص: ۱۴۶- ۱۴۷۔

(58)طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/۸۳۹۔۹۲۳ء)، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ، ج: ۱۰، ص: ۲۶۔

(59) ایضاً،ج: ۱۰، ص: ۲۶۔

(60) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج: ۲، ص: ۳۲۱۔

(61) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج: ۶، ص: ۲۷۹۔

(62) سرخسی، کتاب المبسوط، ج: ۱۰، ص: ۸۶-۸۷۔